رجسٹرڈ نمبر ایل ۸۳۵

قُل اِنَّ الفَضلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤتِیۡہِ مَن یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ

دین کی نصرت کے لئے اک آسمان پر شور ہے | عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا | اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانیکے دن

دُنیا میں ایک نبی آیا پر دُنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

چندہ غیر ممالک سے

سات روپے

الفضل

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا (الہام مسیح موعود)

فہرست مضامین

صفحہ

جلد ۴ | مورخہ ۱۵ اگست ۱۹۱۶ء | سہ شنبہ | مطابق ۱۴ شوال ۱۳۳۴ھ | نمبر ۱۲

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

جناب قاضی عبدالحق صاحب مرحوم

جماعت احمدیہ میں یہ خبر نہایت رنج اور قلق سے سنی جائیگی کہ جناب قاضی عبدالحق صاحب اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑی خوبی اور مسلمہ قابلیت کے نوجوان تھے۔ اور اپنے اوقات کا بہت سا حصہ دینی خدمات میں صرف کرتے تھے۔ آپکا اصل وطن موضع بوبک ضلع سیالکوٹ تھا۔ لیکن جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ آپ کو قادیان دارالامان کی پاک سرزمین کی محبت اور الفت نے یاد وطن کو فراموش کرا دیا تھا۔ آپ کچھ عرصہ پہلے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں ایک لائق اور قابل استاد کی حیثیت سے کام کرتے تھے

لیکن مولوی صدرالدین صاحب کے زمانہ میں بعض وجوہات سے آپ کو سکول سے اپنا تعلق منقطع کرنا پڑا۔ اس کے بعد آپ اسلامیہ ہائی سکول لاہور میں نہایت اعلیٰ قابلیت سے کام کرتے رہے۔ آپ کو شروع سے ہی انگریزی لٹریچر سے خاص مذاق تھا۔ اور خدا تعالیٰ نے آپ کو اس سے کام لینے کا موقع بھی خوب دیا۔ چنانچہ آپ اکثر اپنے جوہر قابلیت و علمیت رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی کے ذریعہ ظاہر کرتے رہتے تھے۔ جن سے آپ کی انگریزی دانی کا سکہ اہل زبان پر بھی بیٹھ گیا۔ یہ جواہر ریزے اب بھی موجود ہیں اور رہتی دنیا تک آپ کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے موجود رہینگے۔ اور آیندہ آنیوالی نسلیں انکو دیکھ کر آپکی روح پر درود بھیجینگی۔ موجودہ اختلاف کے زمانہ میں آپکی قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی انگریزی دانی پر لٹو ہو کر مولوی محمد علی صاحب ایم اے اور ان کے رفقاء نے آپ کو خواجہ صاحب کی امداد کے لئے ولایت بھیجنے کی بہت کوشش کی تھی۔ لیکن آپ کی غیرت اور حمیت نے گوارا نہ کیا کہ وہ ایک ایسے مشن کی امداد میں اپنی قابلیت کو صرف کریں۔ جو یورپ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام لینا "سم قاتل" سمجھتا ہے غیر مبائعین کو جب آپ کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی۔ تو انہوں نے مولوی صدرالدین صاحب کو بھیجدیا۔

اسلامیہ ہائی سکول میں کام کرنے کے بعد آپ اسلامیہ ہائی سکول گھمیانہ میں بحیثیت ہیڈ ماسٹر متعین ہوئے وہاں آپ کی قابلیت اور حسن کارکردگی پر افسران محکمہ تعلیم نے خاص طور پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ حتے کہ انسپکٹر صاحب مدارس نے منیجر سکول کو بطور سفارش فرمایا کہ آپ اگر کوئی گریجوایٹ اور ٹرینڈ ہیڈ ماسٹر بھی بلائیں۔ تو

(باہتمام شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں چھپا)

اسے ان کے ماتحت ہی رکھتا۔ اور انکی تنخواہ بڑھا دینا کیونکہ جیسے یہ قابل اور لائق ہیں۔ ویسا کوئی اور گریجوایٹ بھی تمہیں میسر نہیں ہو سکیگا۔ آپ نے اپنا زمانہ ہیڈ ماسٹری بڑی خوبی اور عمدگی سے گذارا۔ لڑکوں اور اُستادوں کے دلوں میں آپکے اخلاق حمیدہ اور عادات پسندیدہ کی وجہ سے خاص اُنس اور محبت پیدا ہو گئی تھی پچھلے سال جب حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ نے ترجمۃ القرآن انگریزی کے شائع کرنے کی تجویز فرمائی۔ اور اس کام کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی۔ تو اس میں جناب قاضی صاحب ایسے قابل شخص کا شامل کرنا بھی مناسب سمجھا اور اسبات کو اشارتاً جناب قاضی صاحب مرحوم کے کانوں تک پہنچایا گیا۔ اسپر وہ مرد خدا جو قادیان میں زندگی گذارنا اپنے لئے عین سعادت سمجھتا تھا۔ فوراً آمادہ ہو گیا۔ اور گھیانہ سے ایک سال کی بلا تنخواہ رخصت لیکر یہاں چلا آیا۔ اس ارادہ کی خبر جب آپ کے والد صاحب کو ہوئی۔ تو انہوں نے روکنا چاہا۔ اور کہا کہ تم ہیڈ ماسٹری چھوڑ کر وہاں کیوں جاتے ہو۔ لیکن آپ نے صاف الفاظ میں کہدیا کہ کیا آپ مجھے دین کی خدمت کرنے سے روکتے ہیں۔ مجھے ہیڈ ماسٹری کی کوئی ضرورت نہیں۔ دین کی خدمت کرنا میرے لئے ہزار ہیڈ ماسٹریوں سے بڑھکر ہے اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آپکے دل میں خدا تعالے نے دین کی خدمت کے کرنے کا کیسا جوش اور ولولہ رکھا تھا۔ اور کیسا پاک دل عطاء فرمایا تھا۔ آپ وہاں سے رخصت لیکر آ گئے۔ اور ترجمۃ القرآن کمیٹی میں شامل ہو کر نمایاں طور پر کام کرنے لگے اس خدمت دین کی بجا آوری میں آپنے نہ دن دیکھا نہ رات نہ دھوپ دیکھی نہ چھاؤں۔ ہر وقت مشغول رہے۔ اور بعض اوقات تو مشغولیت کا یہ عالم رہا کہ آپنے ساری کی ساری رات آنکھوں میں گذار دی دیکھنے اور سننے والے حیران ہوتے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا۔ کہ خدا تعالیٰ نے انہیں زندگی کے آخری ایام میں یہ زرّین موقع اس لئے دیا ہے کہ دونوں ہاتھوں سے آخرت کے لئے متاع بے بہا

جمع کر لیں۔ کیا مُبارک تھیں وہ گھڑیاں جب آپ راتوں جاگ کر رضاء الٰہی حاصل کرتے تھے اور کیا مبارک تھے وہ ہاتھ جنکو یہ کار خیر کرنے کی توفیق ملی تھی۔ تھوڑا ہی عرصہ ہُوا کہ آپ کی رخصت ختم ہونے پر اسلامیہ ہائی سکول گھیانہ کے مینجر نے آپ کو واپس آنے کے لئے لکھا لیکن آپنے جانے سے بالکل انکار کر دیا۔ اور محض خدا کی رضا اور دین کی خدمت کے لئے ہیڈ ماسٹری ایسے معزز اور باعزّت عہدہ کو چھوڑ کر یہاں کے سکول میں سیکنڈ ماسٹر ہونا اپنے لئے خوش قسمتی سمجھا۔ اور بجائے ایک سو تیس روپیہ ماہوار تنخواہ پانے کے جس میں بہت جلد اضافہ بھی ہونیوالا تھا۔ صرف نوّے روپیہ کو نعمت غیر مترقبہ خیال کیا۔ صرف اس لئے کہ مجھے دین کی خدمت کرنے کا موقع ملتا رہے۔ پچھلے دنوں آپ بی۔ اے کا امتحان دینے کے لئے تیاری کر رہے تھے۔ اور انہیں دنوں میں ترجمۃ القرآن کا کام ہو رہا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اس خیال سے کہ امتحان کے دن بہت قریب ہیں۔ آپکے سُپرد ترجمہ کا کام کیا۔ تو آپنے خود کہکر کام لے لیا اور کہا کہ امتحان کی خاطر میں اس نعمت کو نہیں چھوڑ سکتا آپنے ترجمۃ القرآن کے کام میں جو خدمات انجام دی ہیں۔ وہ آپ ہی کا حصہ تھیں۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو موقع دیا گیا تھا کہ اس خیر کثیر سے اپنے دامن احتیاج کو بھر لیں۔ چونکہ اب دوسرے پارہ کا ترجمہ شروع ہوتا تھا۔ اور سکول میں ڈیڑھ ماہ کی موسمی تعطیلات بھی ہونیوالی تھیں۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے آپ کو فرمایا کہ آپ اپنے گھر کے آدمیوں کو یہاں بلا لیں تا وہ آسانیاں جو گھر والوں کے ذریعہ میسّر آ سکتی ہیں۔ حاصل ہو جائیں۔ اور آپ عمدگی سے کام میں مشغول رہ سکیں۔ اس ارشاد کے ماتحت آپ اپنے گھر والوں کو لینے کے لئے گوجرانوالہ گئے وہاں سے واپسی پر آپ کو راستہ میں ہی ہیضہ کی شکایت پیدا ہو گئی۔ اور پھر یہاں پہنچ کر مرض نے بڑے زور حملہ کیا۔ انسانی کوشش اور سعی کی جہاں تک رسائی تھی۔ ہر ایک طرح سے کام لیا گیا۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ

کے علم میں ہمارے پاس رہنے کی نسبت اپنے پاس بُلا لینا مناسب تھا۔ اس لئے مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ابتداء میں دو تین دن ہوش رہی۔ اور ہیضہ سے بھی کچھ افاقہ ہو گیا۔ لیکن پیشاب بالکل رُک گیا اور ایسا رُکا۔ کہ آخر وہی جان لینے کا باعث ٹھہرا پیشاب کے رُکنے کی وجہ سے سرسام نے حملہ کر دیا۔ اور لاعلاج ثابت ہُوا۔ آپ پانچ تاریخ بروز ہفتہ بیمار ہو کر ۱۲ تاریخ بوقت گیارہ بجے راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ جسدن آپنے وفات پائی۔ اُسی دن صبح کے وقت حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے آپکے متعلق ایک رویاء دیکھا جس سے آپکے دین و دنیا میں کامیاب ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ حضور نے دیکھا کہ میرے سامنے مولوی شیر علی صاحب اور مفتی محمد صادق صاحب بیٹھے ہیں۔ اور ان کے پیچھے کچھ لوگ ہیں۔ جو آہستہ آہستہ ایسے رنگ میں باتیں کرتے ہیں کہ میں نہ سُن لوں لیکن میں نے سمجھ لیا ہے کہ قاضی عبد الحق صاحب فوت ہو چکے ہیں۔ انہیں کے متعلق یہ باتیں کر رہے ہیں اور مجھ سے انکی وفات کی خبر کو پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اسوقت اس خیال سے میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ اتنے میں کسی نے اونچے سے اس مضمون کا ایک فقرہ کہا کہ "وہ مشرک تو نہیں ہے کہدو" یعنی میری نسبت کسی نے کہا کہ یہ مشرک نہیں بیشک اسے یہ خبر سُنا دو۔ ایسا گھبرانے کی کیا وجہ ہے اور میں نے اس اشارہ کے بعد اپنے آنسو روک لئے کہ اب آنسو بہانا بھی جائز نہیں۔ اس کے بعد ایک آواز آئی جس کا مضمون یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے ان کو وفات دی ہے۔ تو ان سے بہتر آدمی دیدیگا ؎

یہ رُویاء دیکھنے کے بعد آپ بیدار ہو گئے۔ اور اُٹھتے ہی جبکہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے قاضی صاحب کی نازک حالت بتلا کر دُعا کرنے کے لئے رقعہ دیا۔ تو آپنے اپنی یہ رُویاء سُنائی۔ اس سے چند گھنٹے بعد انہوں نے جان دیدی اور اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہمیں اس حادثہ جانکاہ میں جناب بابو جمال الدین صاحب اور ان کے خاندان سے دلی ہمدردی ہے۔ اور ہم دُعا کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ اور ہمیں اپنے فضل و کرم سے جناب قاضی صاحب مرحوم کا نعم البدل عطا فرماوے ؎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفضل

قادیان- دار الامان- ۱۵- اگست ۱۹۱۶ء

دیگراں را نصیحت خود را فضیحت

اسلام کی بنیاد الہام الٰہی پر ہے نہ کہ فلسفہ پر

آریہ صاحبان ویدوں کا ترجمہ شائع کریں۔

ہر ایک مذہب کی صداقت اور حقانیت کا پتہ لگانے کے لئے اس کی اپنی مذہبی کتاب کو دیکھنا چاہئیے۔ جسے وہ الہامی اور مقدس قرار دیتا ہو۔ لیکن جہاں آریہ سماج کے دلدادوں کی طرف سے مذہبی تحقیق اور تنقید کے میدان میں اور بہت سی بے اصول اور بے قاعدہ باتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں وہاں ایک بہت بڑا بے اصولا پن یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ان کے اکثر لایعنی اور لاحاصل اعتراضات کی بنیاد جو وہ اسلام پر کرتے ہیں۔ اسی قسم کی کتابوں پر ہوتی ہے۔ جن کو اہل اسلام کسی شمار اور قطار میں نہیں سمجھتے۔ یا جنہیں وہ درجہ نہیں دیتے۔ جو منزہ عن الخطا ہستی کی طرف سے نازل شدہ کتاب کو دیا جاتا ہے۔ آریہ صاحبان کا ایسا کرنا اس بات کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ کہ ان کی طرف سے اسلام کے متعلق جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ وہ نہ تو تحقیق حق کے لئے ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی ان میں معقولیت کو دخل ہوتا ہے۔ بلکہ وہ محض غلط فہمی پھیلانے اور ناواقف لوگوں کے دلوں میں شکوک اور شبہات پیدا کرنے کے لئے ہوتے ہیں کیونکہ وہ باتیں جو دوسرے کے مسلمات میں داخل نہیں ہیں اور جن کو وہ مانتا ہی نہیں۔ انہیں خواہ مخواہ اس کے سر تھوپ کر اعتراض کرنا دیانت اور امانت کے بالکل خلاف ہے اس لئے وہ لوگ جن کے پاس حق ہو۔ ان کی شان سے یہ بات بہت بعید ہے۔ حق بجائے خود ایک ایسی تجلی ہے جسے اس بات کی ہرگز ہرگز ضرورت نہیں ہے۔ کہ دوسرے پر غلط سلط عیب تھوپ کر اپنی عمدگی ظاہر کرے۔ لیکن افسوس۔ کہ آریہ صاحبان اس روش سے باز نہیں آتے۔ اور دن بدن ان کا رجحان اس طرف ہو رہا ہے۔ کہ خواہ کوئی کیسی ہی کتاب کیوں نہ ہو کسی مضمون اور کسی علم کے متعلق کیوں نہ لکھی گئی ہو۔ لیکن اگر اس کے لکھنے والا مسلمان کہلاتا ہے۔ یا وہ اسلام کے متعلق لکھی گئی ہے۔ تو اسے لیکر اسلام پر اعتراض جڑ دئے جائیں۔ اور اس بات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی جائے۔ کہ مسلمانوں کے نزدیک اس کتاب کی قدر اور وقعت کیا ہے۔ اور اب تو ان کی یہ ستم ظریفی یہاں تک بڑھ گئی ہے۔ کہ ان کی طرف سے تحریک ہو رہی ہے۔ کہ مسلمان ان کے لئے نہ صرف ایسی کتابیں مہیا کر دیں۔ بلکہ اگر وہ کسی غیر زبان میں ہوں۔ تو ان کا ترجمہ بھی کر دیں۔ تا وہ غلط اور ناروا اعتراضات کے اگلنے کے قابل ہو سکیں۔ چنانچہ ایک آریہ اخبار اس خود غرضی کے پردہ میں" اہل اسلام کو ایک نیک صلاح" کے عنوان سے لکھتا ہے۔ کہ

"عام طور پر سنا جاتا ہے۔ کہ عربی زبان کا فلسفہ بڑا اکمل ہے۔ چونکہ ہر ایک مذہب کی بنیاد فلسفے پر ہے۔ لہٰذا ایسے عمدہ جواہرات کو کیوں برسوں سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ بہتر ہے۔ کہ اس کی طرف مسلمان بھائی دھیان دیں۔ اور پبلک کو فائدہ پہنچائیں۔ اکثر کر کے یہ بھی سنا گیا ہے۔ کہ ایسی کتابیں کوئی خریدتا کم ہے۔ لہٰذا اسی واسطے کسی کو خیال نہیں آیا۔ بے شک روٹی کا سوال بھی ضروری ہے لیکن دین اور ایمان کا سوال بھی اس سے کم نہیں ہے۔ گو چند ایک معمولی کتابوں کا ترجمہ ہوا ہوا ہماری نظروں سے گذرا ہے۔ لیکن نہ ہونے کے برابر۔ جہاں اسلامی مذہبی سوسائٹیاں ہزاروں روپے خرچ کر کے اور اپنے خیال کے مطابق نیک کام کریں۔ ان کے لئے اس مشکل کا حل کرنا چنداں مشکل نہیں ہے" ؁

اس مسلمانوں کے ناصح مشفق آریہ اخبار کے خیال میں چونکہ ہر ایک مذہب کی بنیاد فلسفہ پر ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنا فلسفہ جس کے اعلیٰ اور عمدہ ہونے کی شہرت ہے پیش کرنا چاہئیے۔ لیکن یہ بات ہی بالکل غلط اور فضول ہے کہ ہر ایک مذہب کی بنیاد فلسفہ پر ہے۔ اگر آریہ صاحبان اپنے مذہب کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ تو خوشی سے رکھیں۔ لیکن اسلام ایک لمحہ کے لئے بھی اس کو صحیح اور درست ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ کیونکہ فلسفہ پر کسی سچے مذہب کی بنیاد کا ہونا بالکل غلط بات ہے۔ فلسفہ کے ذریعہ اور باتیں تو الگ رہیں۔ خدا کے متعلق بھی حقیقی علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس سے صرف یہ معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ کوئی خدا ہونا چاہئیے۔ ہاں خدا تعالےٰ کی معرفت اور سچے دین کی پہچان الہام الٰہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے۔ اور الہام ہی وہ چیز ہے۔ جس سے فلسفہ کے دھندلے اور خیالی نقش ونگار روشن ہو سکتے ہیں۔ ورنہ فلسفہ کی وہی حالت ہے جو بغیر سورج کے آنکھ کی۔ جسطرح آنکھ بغیر سورج یا اور کسی قسم کی روشنی کے دیکھنے سے قاصر ہے۔ اسی طرح محض فلسفہ بھی بغیر الہام کے خدا تعالیٰ تک پہنچانے سے عاجز ہے۔ ایک فلسفی عالم موجودات کے نظام اور ترتیب کو دیکھ کر یہ تو کہہ سکتا ہے کہ اسکا کوئی صانع اور محافظ ہونا چاہئیے۔ لیکن اس کا فلسفہ اسے اس حد تک نہیں پہنچا سکتا۔ کہ وہ کہہ سکے کہ فی الحقیقت اس دنیا کا صانع موجود بھی ہے۔ لیکن جب تک انسان کی معرفت اس حد تک نہ پہنچ جاوے۔ کہ وہ سمجھ لے۔ کہ درحقیقت صانع موجود ہے۔ اس وقت تک اسے خدا تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ "کوئی صانع ہونا چاہئیے"۔ اور یہ کہنا کہ "ایک صانع موجود ہے"۔ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ اور یہ فرق اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ خدا تعالیٰ خود ہی انسان کو اپنے الہام کے ذریعہ یہ معرفت نہ کرا دے کہ میں واقعہ میں موجود ہوں۔ چونکہ سچے مذہب کی غرض خدا تعالےٰ کی معرفت حاصل کرانا اور اس تک پہونچانا ہوتی ہے۔ اسلئے یہ غرض بغیر الہام الٰہی کے پوری نہیں ہو سکتی۔ جیسے ایک انسان جب تک دوسرے انسان کو اپنی مرضی اور منشاء سے آگاہ نہ کرے۔ اس وقت تک وہ اس کی منشاء کے سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ تو پھر کیا خدا تعالیٰ کی منشا اور مرضی بغیر اس کے بتلانے کے انسان اپنی عقل اور فکر سے معلوم کر سکتا ہے

ہرگز نہیں ۔ یہی وجہ ہے ۔ کہ سچے مذہب کی بنیاد الہام الٰہی پر ہوتی ہے ۔ نہ کہ فلسفہ پر ۔ جس سے خدا تعالیٰ کی ہستی کا کامل یقین بھی نہیں ہوسکتا ۔ اسلام کی صداقت کا یہ بھی ایک بہت بڑا ثبوت ہے ۔ کہ اس کی بنیاد الہام الٰہی پر ہے ۔ ممکن تھا ۔ کہ دیگر مذاہب والے بھی کہدیتے ۔ کہ ہمارے مذہب کی بنیاد بھی الہام پر ہی ہے ۔ لیکن خدا تعالےٰ نے ان کے پیرؤں سے یہ انعام چھین کر بالکل خاموش کرادیا ہے ۔ اور صرف اسلام پر چلنے والوں کے لئے ہی یہ دروازہ کھلا رکھا ہے چنانچہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام سے ممتاز فرماکر اسلام کی حفاظت اور صداقت کے لئے بھیجا ہے ۔ اس میں شک نہیں ۔ کہ ابتداء میں ہر ایک مذہب کی بنیاد الہام الٰہی سے ہی استوار کی گئی تھی ۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں ۔ کہ موجودہ زمانہ میں اسلام کے سوا اور کوئی بھی مذہب نہیں ۔ جس کی بنیاد الہام الٰہی پر باقی رہ گئی ہو ۔ بلکہ ہر ایک مذہب اس کے پیرؤں کے علم ۔ عقل اور فہم پر آرہا ہے ۔ جو بات ان کے علم میں عقل میں فہم میں سماتی ہے ۔ وہی مذہب ہے ۔ اور جسے اس کے خلاف سمجھتے ہیں ۔ اُسے پرے پھینکدیتے ہیں ۔ اور بقول آریہ اخبار کے آریہ دھرم کی بنیاد کے متعلق تو صاف طور پر کہدیا گیا ہے ۔ کہ فلسفہ پر ہے ۔ ممکن ہے ۔ کہ آریہ صاحبان نے اپنے مذہب کی بنیاد کو فلسفہ پر رکھنے میں کوئی بہتری سوچی ہو ۔ لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیئے ۔ کہ فلسفہ اس علم کا نام ہے ۔ جو زمانہ کے حالات اور واقعات کے ساتھ ساتھ پلٹا کھاتا رہتا ہے ۔

آریہ اخبار نے چونکہ خود اس بات کا اقرار کیا ہے ۔ کہ ہر ایک مذہب کی بنیاد فلسفہ پر ہے ۔ اس لئے اس کا فرض ہے ۔ کہ پیشتر اس کے کہ مسلمانوں سے ان کے فلسفہ کا مطالبہ کرے ۔ خود اپنے فلسفہ کو پیش کرے ۔ ورنہ کہا جائیگا ۔ کہ وہ باوجود اس بات کے ماننے کے کہ آریہ دھرم کی بنیاد فلسفہ پر ہے اپنے مذہبی فلسفہ کو ایسا ناقص اور ردی سمجھتا ہے ۔ کہ جسے پیش کرنے کی اسے جرأت ہی نہیں ہے ۔ اور جب آریہ دھرم کی بنیاد کی یہ حالت ہوئی ۔ تو سمجھ لینا چاہیئے ۔ کہ آریہ مذہب خود آریہ صاحبان کے نزدیک کیا وقعت اور حیثیت رکھتا ہے ۔ کسقدر تعجب اور حیرت کا مقام ہے ۔ کہ آریہ صاحبان مسلمانوں سے تو ان کتابوں کے ترجمہ کا مطالبہ کرتے ہیں ۔ جن کی مسلمانوں کے نزدیک کچھ بھی حقیقت نہیں ۔ لیکن خود بار بار کے تقاضوں کے باوجود اپنی ان کتابوں کو ہوا لگوانے کی بھی جرأت نہیں کرتے جن کو وہ الہامی مانتے ہیں ۔ اور جن کے متعلق ان کا کامل یقین اور پورا ایمان ہے ۔ کہ ابتدائے آفرینش میں خدا تعالےٰ نے ان کو نازل کرکے پھر اپنی زبان پر ایسی مہر سکوت لگائی ہے ۔ کہ جسکا ٹوٹنا ناممکن ہے ۔ یعنی ان کتابوں کے بعد کوئی اور کتاب خدا کی طرف سے نازل نہیں ہوسکتی ۔ ابتدائے خلق میں بھی تمام دنیا کے لئے وید ہی ہدایت کا موجب تھے ۔ اور اب بھی وید ہی ہیں ۔ جب آریہ صاحبان کا ویدوں کے متعلق یہ عقیدہ ہے ۔ تو پھر ان کی طرف سے مخلوق خدا پر کسقدر ظلم اور ستم روا رکھا جارہا ہے ۔ کہ اس کو ویدکی تعلیم سے آگاہ نہیں کیا جاتا ۔ دوسروں کو ویدوں کی حقیقت بتانا تو بہت بڑی بات ہے ۔ ویدوں کے ماننے والوں کا بھی ایک کثیر حصہ ایسا ہے جس نے کبھی ویدوں کی شکل تک نہیں دیکھی ۔ کیا ان کو ویدوں سے واقف کرنا آریہ صاحبان کا فرض نہیں ہے ۔ اور کیا وہ آریہ مہاشہ جو مسلمانوں کو ایک نیک صلاح دینے کی تکلیف گوارا کرتا ہے ۔ وہ اس بات پر غور کرنے کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا ۔ کہ وہ خود ویدوں سے اپنے آریہ بھائیوں کو واقف کرنے کے لئے کیا کچھ کوشش کررہا ہے ۔ اور اپنے ہم مذہب لوگوں کو وید کی تعلیم اور حقیقت سے کہاں تک آگاہ کرنے کے سامان پیدا کررہا ہے ۔ اگر اس وقت تک اس معاملہ میں اس نے اور اس کے ساتھیوں نے کچھ نہیں کیا ۔ تو ان کے لئے اب بھی موقعہ ہے ۔ کہ ویدوں کا ترجمہ شائع کرنے کی طرف توجہ کریں ۔ اس طرح جہاں وہ اپنے مذہب کے کثیر التعداد لوگوں پر بہت بڑا احسان کریں گے ۔ وہاں دیگر مذاہب کے افراد پر بھی کوئی کم عنایت نہ کریں گے ۔ ورنہ وہ یاد رکھیں ۔ کہ خدا کے حضور تمام دنیا کی طرف سے انہیں اس بات کا جوابدہ ہونا پڑیگا ۔ کہ کیوں تم نے دنیا کو ویدوں سے واقف کرنے کی کوشش نہ کی ۔ اور کیوں تم نے ایسے عمدہ جواہرات کو برسوں نہیں بلکہ صدیوں چھپائے رکھا ۔ شاید آریہ صاحبان کہیں ۔ کہ ویدکے ترجمہ کو کوئی خریدتا نہیں ۔ اس لئے کسی کو ان کا ترجمہ کرنے کی جرأت بھی نہیں ہوسکتی ۔ اس کا جواب ہم آریہ مہاشہ کے الفاظ میں ہی دیں گے ۔ کہ "بے شک روٹی کا سوال بھی ضروری ہے ۔ لیکن دین اور ایمان کا سوال بھی اس سے کم نہیں" ۔ اگرچہ آریہ مہاشہ کے یہ الفاظ بھونڈے اور اصل حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی نہیں ۔ لیکن چونکہ آریہ مہاشہ کی اپنی قلم سے نکلے ہوئے ہیں ۔ اس لئے امید ہے ۔ کہ تمام آریہ صاحبان کے لئے عموماً اور اس کے لئے خصوصاً موثر ثابت ہوں گے ۔ اور وہ اس بات کی فکر کریں گے ۔ کہ جلد سے جلد ویدوں کے چہرہ سے نقاب کشائی کرکے دنیا کو ان کی حقیقت سے آگاہ کردیں ۔ لیکن اگر اب بھی ان کی طرف سے ترجمہ شائع نہ کیا گیا ۔ تو یہ بات پایۂ یقین تک پہونچ جائے گی ۔ کہ ویدوں کی تعلیم کو پیش کرنے کی آریہ صاحبان کو جرأت اور ہمت ہی نہیں ہے اور ان کی دلی منشا یہی ہے ۔ کہ جہاں تک ہوسکے ۔ ویدوں کا پول ڈھکا ہی رہے ۔ اور عوام الناس کو اس بات کا اندازہ لگانے کا موقعہ ہی نہ ملے ۔ کہ ویدوں کی کیا تعلیم ہے ۔ کیا جب کہ آریہ صاحبان کی طرف سے وید پر پردہ ڈالنے کے لئے اسقدر کوشش کی جارہی ہے ۔ تو دنیا کا حق نہیں ہے کہ وہ ان کے دعاوی کو کوئی وقعت نہ دے ۔ اور پورے یقین کے ساتھ سمجھ لے ۔ کہ

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اہل مغرب کا اضطرار

یورپ میں مذہب سے بیگانگت کے جہاں اور بے شمار نقصانات ظاہر ہوچکے ہیں وہاں ایک بہت بڑا نقصان یہ بھی ہوا کہ اکثر لوگوں نے تعلقات زن وشوئی کو بہت برے رنگ میں پیش کیا ہے اور خاصکر اہل فرانس سب سے بڑھے ہوئے ہیں ۔ وہاں نوجوانوں مردوں اور عورتوں کی ایک کثیر تعداد ایسی پیدا ہوگئی ہے ۔ کہ جو شادی نہیں کرنا چاہتی تاکہ اولاد کے فکر اور تردداّت سے مامون رہیں اور جو کوئی کسی وجہ سے شادی کرلیتے ہیں ۔ وہ اولاد کے نہ پیدا ہونے کے لئے مختلف ذرائع استعمال کرتے ہیں ۔ اسکا نتیجہ یہ ہورہا ہے کہ فرانس کی مردم شماری دن بدن کم ہورہی ہے اور موجودہ جنگ کی وجہ سے اس کمی کو خاص طور پر محسوس کیا گیا ہے اسلئے کو سیونیارٹ نے پارلیمنٹ فرانس میں ایک تجویز پیش کی ہے کہ لوگوں کو اولاد پیدا کرنے کیلئے سرکاری وظائف دیئے جائیں اور وظائف میں ماں کا حق باپ سے زیادہ رکھا جائے وہ تجویز یہ ہے کہ ہر ایک فرانسیسی عورت کو پہلے دو بچے جننے پر فی بچہ ۳۰۰ روپیہ ۔ تیسرے بچے کے لئے ۶۰۰ روپیہ اور چوتھے بچے کے لئے ۱۲۰۰ روپیہ ۔ اور اس کے بعد ہر بچہ کے لئے ۶۰۰ روپیہ بطور انعام دیا جائے ۔ اور بچے کی ابتدائی پرورش میں عورت کے جانے کی غرض سے یہ وظیفے بچے کے ایک سال کا ہوجانے پر دیئے جاویں ۔ یہ ضروری نہیں ۔ کہ بچہ جننے والی عورت شادی شدہ ہو بلکہ سلطنت کو بچے درکار ہیں ۔ اور وہ ہر ایک ایسی عورت کو معاوضہ دینے کے لئے تیار ہوگی ۔ جو سلطنت کے لئے بچے بہتر تحفہ پیش کرے جس کی ایک محب وطن عورت سے توقع کی جاسکتی ہے" ۔ افسوس کہ اس تجویز کو ہم کسی حالت میں بھی مفید نہیں کہہ سکتے ۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ

الاسلام

صرف تعلیم اسلام ہی کامل ہے

قرآن کریم ہم کو دیگر مذاہب اور ان کی کتابوں کے متعلق جو سماوی کتابیں کہلاتی ہیں۔ یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتا۔ کہ وہ از سرتاپا بالکل دروغ بے فروغ ہیں۔ اور ان کی اصلیت اور حقیقت بالکل کچھ نہیں۔ بلکہ قرآن شریف فرماتا ہے۔ ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً۔ کہ ہر گروہ اور ہر قوم میں ہم نے رسول بھیجا ہے۔ اسی طرح فرماتا ہے۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ کہ کوئی قوم ایسی نہیں جس میں ہم نے رسول نہ بھیجا ہو۔

پس دیگر مذاہب کے متعلق ہم یہ نہیں کہتے۔ کہ وہ بالکل بے اصل ہیں۔ بلکہ یہ کہتے ہیں۔ کہ اس وقت کے لحاظ سے مکمل نہیں ہیں۔

مسئلہ ارتقا اور ارتقا کا مسئلہ ایک مسلم مسئلہ ہے جو ہماری تائید میں موجود ہے۔ اور جس کی مثالوں سے قانون قدرت بھرا پڑا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کثرت سے اشیاء آہستہ آہستہ ادنےٰ حالت سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرتی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں۔ کہ دنیا کی ہر ایک چیز میں یہ مسئلہ کام کرتا نظر آئے۔ بعض اشیاء ایسی بھی ہیں۔ جو ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتی ہیں۔ ترقی یا تنزل نہیں کرتیں۔ مثلاً پتھر کو ایک جگہ رکھ دو نہ وہ ترقی کرے گا نہ تنزل پھر بعض اشیاء ایسی ہیں۔ جو ترقی کرتی ہیں۔ لیکن ان کی ترقی ایک حد تک پہونچکر رک جاتی ہے۔ مثلاً قد انسان۔ بڑے سے بڑے قد والا انسان جو دنیا میں مل سکتا ہو۔ وہ انسانی قد کی ترقی کی آخری حد سمجھ لو۔ جب اتنا قد ہو جائے۔ تو اسمیں تنزل یا ترقی نہیں ہو سکتی اس سے معلوم ہوا۔ کہ یہ دو قسم کی اشیاء ہیں۔

روحانیت میں بھی صداقتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک وہ جو ہمیشہ ایک جیسی رہتی ہیں۔ انمیں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ مثلاً سچ ہے۔ یہ ہمیشہ محمود ہی چلا آیا ہے۔ کسی شریعت کی کتاب میں اسکو برا نہیں کہا گیا اسی طرح جھوٹ اور شرک ہمیشہ ہی مذموم چلے آئے ہیں۔ انمیں تغیر و تبدل نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ لیکن بعض ایسے احکام ہیں کہ ان کا نزول وقتی ضروریات کے پورا کرنے کے لئے ہوا جب وہ ضرورت پوری ہو گئی۔ تو ان میں تغیر و تبدل کی ضرورت بھی پیدا ہو گئی۔ مثلاً توراۃ میں دشمنوں کے متعلق جو تعلیم دی گئی ہے۔ نہایت ہی سخت اور خونریز ہے۔ کیونکہ بچوں۔ بوڑھوں۔ عورتوں۔ مردوں حتےٰ کہ ان کے مال اور مویشی کو بھی قتل کر دینے اور جلا دینے کا حکم ہے۔

یہ خونریز تعلیم ایک وقتی ضرورت کی بنا پر ان کو دی گئی تھی۔ کیونکہ بنی اسرائیل فرعون کی ماتحتی اور غلامی میں عرصہ دراز تک اسکے طرح طرح کے مظالم سہتے سہتے نہایت بزدل ہو چکے تھے اور قوت انتقام ان کی بالکل مر چکی تھی۔ پس ان کو ایسی تعلیم کی ضرورت تھی۔ جو انمیں حوصلہ اور جرأت پیدا کر دے۔ لیکن اس تعلیم پر عمل کرتے کرتے یہودیوں پر جب وہ زمانہ آگیا۔ کہ وہ نہایت قسی القلب اور ظالم طبع ہو گئے۔ تو اس وقت ان کے لئے ایسی تعلیم کی ضرورت پیش آئی۔ کہ جس سے ان کی قساوۃ قلبی دور ہو۔ اور انکی طبیعت میں رحم اور نرمی پیدا ہو۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توراۃ کی اس تعلیم کو بالکل بدل دیا اور کہا جو تمہاری ایک گال پر تھپڑ مارے۔ تم دوسری بھی اس کے آگے کر دو۔ اگر کوئی ایک کوس تم کو بیگار لے جائے۔ تو تم دو کوس چلے جاؤ۔ اگر کوئی تمہاری چادر لینا چاہے۔ تو تم کرتہ بھی اسکے حوالے کر دو۔ لیکن رفتہ رفتہ قوم اس رحم کی تعلیم سے ناجائز فائدہ اٹھانے لگے۔ جس سے انھوں نے مذہب کی اس اصلی غرض پر کہ انسان پاک ہو کر اس پاک ذات سے تعلق پیدا کرے بالکل پانی پھیر دیا۔ گو اپنے اپنے وقت میں یہ دونوں عمدہ صداقتیں تھیں۔ لیکن جب ضرورت نہ رہی تو نقصان دینے لگیں۔ اس وقت قرآن کریم نے ان دونوں صداقتوں کو ایک اعلیٰ رنگ میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور فرمایا۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفی واصلح فاجرہ علی اللّٰہ انہ لا یحب الظلمین بدی کی سزا بھی دو۔ لیکن اگر اصلاح معاف کرنے کی صورت میں ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔ اور اگر معاف کرنے سے تمہارا کچھ نقصان ہوتا ہو۔ تو اللہ تم کو اسکا اجر دیگا۔ پھر اگر باوجود اسکے کہ معاف کر دینے سے ملزم کی اصلاح ہوتی ہو۔ کوئی معاف نہیں کرتا۔ بلکہ سزا ہی دیتا ہے۔ تو وہ ظالم ہے۔ اور خدا ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ اس ارشاد کی تعمیل میں سب سے اعلیٰ اور اکمل نمونہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ملتا ہے آپ نے باوجود کفار مکہ سے طرح طرح کے دکھ اور تکالیف پانے کے چونکہ انکی اصلاح اسی میں دیکھی۔ کہ ان کو معاف کر دیا جائے۔ اس لئے معاف کر دیا۔ چنانچہ اس سلوک کے سبب سے سب مسلمان ہو گئے۔ یہ وہ تعلیم ہے۔ کہ اسمیں اب کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا

ایک سوال اور اُسکا جواب اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ بار بار جو خدا تعالیٰ کو احکام کے رد و بدل کرنے کی ضرورت پڑی۔ ابتداء میں ہی کیوں نہ ایسی تعلیم نازل کر دی جس میں تغیر کی ضرورت نہ رہتی۔ کیا خدا بھی تجربہ کا محتاج ہے۔ کہ جب اُس نے دیکھا۔ کہ ایک حکم مفید ثابت نہیں ہوا۔ تو دوسرا جاری کر دیا۔ وہ نقصان دہ ثابت ہونے لگا۔ تو ایک تیسرے حکم کی ضرورت محسوس ہوئی ؎

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ لائق طبیب کبھی ایسی حرکت نہیں کرتا کہ اُس کے سامنے سل کا مریض لایا جاوے۔ اور وہ اُس کے لئے ان امراض کے بھی نسخے لکھنے شروع کر دے۔ جو اس کو لاحق نہیں ہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے۔ تو اسکا یہ کام بالکل عبث اور بے فائدہ ہوگا۔ بہترین کام اسکا یہ ہوگا۔ کہ وہ سل کا نسخہ لکھ کر مریض کے حوالہ کرے۔ اسی طرح پہلے جس قدر الہٰی کتابیں نازل ہوئیں۔ وہ خاص خاص قوموں کی طرف تعلیم لائی تھیں۔ جو کہ خاص خاص مرضوں کے مریض تھے۔ مثلاً یہودیوں میں اگر کوئی نقص تھا۔ تو بحیثیت ایک قوم کے تھا۔ اور عیسائیوں میں کوئی نقص تھا۔ تو وہ بھی بحیثیت ایک ہی قوم کے تھا۔ اپنے اپنے وقت میں دونوں قومیں ایک ایک مریض کے مشابہ تھیں۔ ایسی حالت میں وہ تعلیم جو دنیا کی تمام اقوام کے لئے ہونی چاہئیے۔ ایک خاص قوم میں بھیجنا عبث تھی حضرت موسیٰ کے وقت حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کا پیش کرنا بالکل غیر مفید تھا۔ بلکہ بہت نقصان دہ ثابت ہوتا۔ اور حضرت عیسیٰ کے وقت حضرت موسیٰؑ کی تعلیم سے بھی یہی نتیجہ نکلتا اور وہ مکمل تعلیم جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اتری۔ وہ نہ حضرت موسیٰ کے وقت مفید ہو سکتی تھی۔ اور نہ حضرت عیسےٰ کے وقت بلکہ اسی وقت اور اس زمانہ کے مناسب حال تھی جس میں آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن کریم سے پہلے کی کتابوں میں آپ کبھی یہ دعوےٰ نہیں پائیں گے۔ کہ وہ تمام جہان کے لئے تعلیم لائی ہیں۔ انجیل سوروں کے آگے موتی ڈالنا نہیں چاہتی۔ اور وید مقدس تو یہ فتوےٰ دیتا ہے۔ کہ اگر کوئی شودر اس کے الفاظ سنے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالنا چاہئیے۔ لیکن قرآن کریم

ایک ایسی کتاب ہے ۔ جسمیں آپ یہ دعویٰ پائیں گے ۔ کہ انزل هذا القرآن لانذرکم بہ و من بلغ ۔ کہ یہ قرآن نازل کیا گیا ہے ہر اس شخص کے لئے جس تک یہ پہونچے ٭

اسلام سے پیشتر تمام دنیا کیلئے کیوں ایک ہی شریعت نہ آئی

اب یہ سوال ہو سکتا ہے ۔ کہ خدا نے پہلے تمام تعلیم خاص خاص قوموں کی طرف کیوں بھیجی ۔ ایک ہی کامل کتاب تمام جہان کے لئے کیوں نہ بھیجدی ۔

اسکا جواب یہ ہے ۔ کہ پہلے زمانہ میں وہ سامان اور ذرائع موجود نہ تھے جن میں دور دراز ممالک کے لوگوں سے تعلق پیدا ہوتا ۔ اور حق تبلیغ ادا ہو سکتا ۔ اس واسطے جس جس جگہ جس جس مرض کا زور ہوا ۔ اسی مرض کے الگ الگ معالج خدا نے وہاں بھیجدیئے ۔ لیکن قرآن کریم کا نزول اس وقت ہوا ۔ جبکہ دور دراز علاقوں سے تعلقات پیدا ہونے شروع ہو گئے تھے ۔ پھر شریعت اسلام کے لئے خدا تعالےٰ نے دو زمانے رکھے ہیں ۔ ایک تکمیل دین کا زمانہ اور ایک اشاعت دین کا زمانہ ۔ تکمیل دین تو آنحضرت کے زمانہ میں ہو گئی ۔ جیسا کہ قرآن کریم کہتا ہے ۔ الیوم اکملت لکم دینکم اور اشاعت دین کا زمانہ دوسرے وقت میں رکھا ۔ کیونکہ وہ علام الغیوب جانتا تھا ۔ کہ دنیا کے تعلقات بڑھتے بڑھتے ایک دن ایک شہر کی طرح ہو جاتے ہے ۔ اس واسطے اشاعت دین کے متعلق فرمایا ۔ لیظهره على الدين كله ۔ انجام کار اللہ تعالیٰ اسلام کو ہی تمام مذاہب کے مقابلہ میں غلبہ بخشیگا ۔ اور تکمیل اشاعت دین کریگا ۔ اور اسلام کو سرانجام دینے کے لئے چودھویں صدی کے سر پر ایک مسیح اور مہدی کا خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق وہ موعود آگیا اور ہر مذہب و ملت کے لیڈروں کو مقابلہ کے لئے للکارا لیکن اسے آخر یہی کہنا پڑا ۔ کہ ؎

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

اور جو آیا اس کی دعا کے تیر نے اس کو ایسا گھائل کر دیا ۔ کہ پھر نہ اُٹھ سکا ۔ ڈوئی ۔ لیکھرام ۔ پگٹ وغیرہ کی نظیریں موجود ہیں ٭

پھر میں اصل مضمون کی طرف عود کرتا ہوں ۔ کہ پہلی کتابیں خاص خاص قوموں کی طرف خاص خاص مرض کے لئے وقتی تعلیم لاتی تھیں ۔ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ ہندو قوم کے لئے وید کی وہ تعلیم بھی اسی قسم کی وقتی ضرورت کے لئے معلوم ہوتی ہے جس کو سوامی دیانند نے ستیارتھ پرکاش کے صفحہ ۵۹ پر لکھا ہے اور جو یہ ہے ۔ کہ

" جو وید اور عابد لوگوں کی وید کے مطابق بنائی ہوئی کتابوں کی بے عزتی کرتا ہے ۔ اس وید کی برائی کرنے والے منکر کو ذات ۔ جماعت اور ملک سے نکال دینا چاہیئے ۔ اور صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے " ادھرمی خواہ کیسے صاحب وسیلہ نہایت طاقتور اور صاحب لیاقت بھی ہو ۔ تو بھی اس کی بربادی متنزل اور تخریب ہمیشہ کیا کرے " ٭

خدا تعالیٰ غیر مذاہب والوں کو وہ دن نہ دکھائے جب کہ وید کی اس تعلیم پر عمل کرنے والے پیدا ہو جائیں ۔ یہ آریہ ویدوں کے ماننے والے اور ستیارتھ پرکاش پر جان دینے والے قرآن کریم کی تعلیم کو ناقص اور خونی بتلاتے ہیں ۔ اور اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالتے ۔ انہیں یہ دیکھنا چاہیئے ۔ کہ قرآن نے کہیں غیر مذاہب کے لوگوں سے ناجائز سختی جائز قرار دی ہے یا نہیں ۔ اگر نہیں دی ۔ تو اسلام اس الزام سے پاک ہے پس قرآن کریم تو کھول کھول کر کہتا ہے ۔ لا اکراہ فی الدین ۔ کہ دین کے معاملہ میں کسی پر جبر نہ کرو ۔ اور فرماتا ہے قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم کہ جو تم سے لڑتے ہیں ۔ ان کا تم مقابلہ کرو ۔ پھر فرماتا ہے ۔ اذن للذین یقاتلون بانهم ظلموا ۔ کہ مظلوم ہونے کی صورت میں تم کو دوسروں سے لڑائی کرنے کی اجازت ہے ۔ پھر فرماتا ہے لا ینهٰکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروهم و تقسطوا الیهم الآیہ کہ جو لوگ دین کی وجہ سے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کرتے ۔ اور نہ تم کو جلا وطن کرتے ہیں ۔ ان کے ساتھ نیکی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو نہیں روکتا ۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کو وہ پسند کرتا ہے ٭

پس قرآن کریم کے سوا دوسری کتب سماوی کی ایسی مثال ہے ۔ جیسے ایک شاہی باغ جو اپنے وقت میں مفید پھل اور پھول لاتا تھا ۔ لیکن بادشاہ کے ایک اور اعلیٰ باغ تیار کرنے اور پہلے کی حفاظت ترک کر دینے کی وجہ سے وہ اجڑ گیا ہو ۔ اور طرح طرح کے خاردار درخت اسمیں پیدا ہو گئے ہوں کہ اگر کوئی تفریح کے لئے وہاں جائے ۔ تو الٹا دکھ پائے ۔ چنانچہ اس کے متعلق خدا تعالےٰ کا فعلی ثبوت یہ ہے ۔ کہ ان کتابوں کی حفاظت کے لئے اب کوئی مالی نہیں بھیجتا ۔ حتیٰ کہ ان کتابوں کے پیرو نا امید ہو کر اس بات کے ہی منکر ہو گئے ہیں ۔ کہ خدا تعالےٰ کسی سے کلام کرتا ہے ۔ نیز ان کتابوں کے نامکمل ہونے کی وجہ سے خدا تعالےٰ نے ان کی حفاظت کا کوئی وعدہ بھی نہیں فرمایا تھا ۔ لیکن برخلاف اس کے قرآن شریف کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتا ہے ۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون ۔ کہ ہم نے قرآن کو نازل کیا ۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ وار ہیں ۔ چنانچہ اس نے ایسی حفاظت کی ۔ کہ دنیا کی کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے ۔ قرآن کریم وہ کتاب ہے ۔ کہ لاکھوں حفاظ کے دلوں پر لکھا ہوا موجود ہے ۔ اسلئے اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا ٭

اب خدا تعالےٰ نے تمام متفرق صداقتوں کو اکمل اور اتم طور پر قرآن کریم میں جمع کر دیا ہے ۔ چنانچہ فرماتا ہے هذا كتاب انزلنه مبارك فاتبعوه ۔ کہ یہ جامع کتاب ہے ۔ اب تم سب لوگ اس کی اتباع کرو ۔ یعنی جو تعلیم کہ موسیٰ پر اتری یا عیسیٰ پر یا چار رشیوں وغیرہ پر ان سب صداقتوں کا جامع قرآن ہے ٭

معذرت

امسال بسبب قاضی عبدالحق صاحب مرحوم کی یکایک علالت اور اخیم چوہدری غلام محمد صاحب سپرنٹنڈنٹ کے رخصتوں سے ماقبل ایک دن اچانک بخار میں مبتلا ہو جانے سے لڑکوں کو کرایہ اور ریکو سٹیشن بٹالہ پر وقت پر ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے تکلیف ہوئی ۔ مجھے اسکا بڑا افسوس ہے ۔ اور میں تحقیقات کر رہا ہوں ۔ کہ کس کی غلطی سے بچوں کو تکلیف پہونچی تاکہ اس امر کا آئندہ قرار واقعی انسداد ہو سکے ۔ بہر حال مجھے بڑا افسوس ہے ۔ اس لئے چند حروف طلباء و محمد الدین کے مطالعہ کے لئے لکھے جاتے ہیں ٭

خاکسار محمد الدین ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

چند شکوک کا ازالہ

۱۴- جولائی ۱۹۱۶ء کے مسافر آگرہ میں چند اعتراضات بعنوان "ایک مسلمان کے شکوک اسلام پر" ہمارے مطالعہ سے گذرے۔ جنکے جواب معہ سوالات کے ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ معترض صاحب کے لئے تسلی کا باعث ہوں گے۔

ہم اس بات کے لئے بھی تیار ہیں۔ کہ اگر معترض صاحب یہاں آجائیں۔ تو ہم اپنی طرف سے ان کے شکوک کے ازالہ کے لئے خاص کوشش کریں گے۔ اگر وہ اس بات پر آمادہ ہوں۔ تو آمد و رفت کا خرچ بھی ہم برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ ان کی طرف سے پہلا سوال یہ کیا گیا ہے کہ۔

"خدا مجسم ہے۔ یا غیر مجسم۔ اور اپنے کام قانون قدرت کے خلاف کرسکتا ہے یا نہیں۔ مثلاً کیا وہ خودکشی بھی کرسکتا ہے"۔

اس سوال کے دو حصے ہیں۔ ایک یہ کہ خدا مجسم ہے۔ یا نہیں؟ (۲) یہ کہ وہ اپنے قانون قدرت کے خلاف کوئی فعل کرسکتا ہے یا نہیں۔ مثلاً کیا وہ خودکشی بھی کرسکتا ہے؟

حصہ اول کے جواب میں تو یہ عرض ہے۔ کہ خدا مجسم کس طرح ہوسکتا ہے جبکہ تجسیم کے ساتھ محدود ہونا لازم آتا ہے اور محدود ہونا مستلزم فنا ہے۔ حالانکہ خدا کی ذات جسطرح اور عیوب سے پاک ہے۔ اسی طرح فنا ہونے سے بھی پاک ہے پس معلوم ہوا۔ کہ خدا مجسم نہیں ہے۔ قرآن کریم ہم کو خدا تعالےٰ کی نسبت جو تعلیم دیتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر۔ خدا تعالیٰ کی ذات کو یہ مادی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ ہاں وہ خود اپنی قدرت اور صفات کے ظہور سے اپنا آپ دکھاتا اور اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ نہایت لطیف ہستی ہے۔ اس لئے ان کثیف آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتی۔ اور وہ باخبر بھی ہے۔ یعنی جانتا ہے۔ کہ کون اسکا طالب حقیقی اور عاشق صادق ہے۔ کہ اس کو اپنا چہرہ دکھائے۔ اور کون اس قابل ہے۔ کہ وہ اس کی ذات کو دیکھنے سے محروم رہے۔ خدا تعالےٰ کبھی اپنی کلام سے اور کبھی قبولیت دعا سے اور کبھی مختلف نشانات اور معجزات سے اپنی ذات کے متعلق طالبان صادق کو حق الیقین کے درجہ تک پہونچا دیتا ہے۔ اور اسطرح ان لوگوں کو بھی جو خدا کے پیاروں کے دشمن ہوتے ہیں۔ یقین ہوجاتا ہے کہ واقعہ میں ان کا سہارا کسی ایسی طاقتور ہستی کے ساتھ ہے۔ جو سب سے زیادہ قدرت رکھنے والی ہے۔

پس قرآن نے اس محکم آیت کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی نسبت ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ وہ ایک لطیف ہستی ہے۔ انسان کی مادی نگاہیں اس کے دیکھنے سے قاصر ہیں ہاں وہ خود کسی نہ کسی رنگ میں اپنا آپ دکھاتا۔ اور بندوں کو اپنی ہستی کا یقین دلاتا ہے۔ اس سوال کا جو دوسرا حصہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اپنے قانون قدرت کے خلاف کرسکتا ہے یا نہیں؟ مثلاً کیا وہ خودکشی بھی کرسکتا ہے اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ نادان اور کم عقل انسانوں نے اپنے فہم اور ادراک کے مطابق چند باتوں کو قانون قدرت قرار دے رکھا ہے۔ وہ جس بات کو ان کے خلاف دیکھتے ہیں۔ اس کے متعلق کہہ دیتے ہیں۔ کہ یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔ حالانکہ وہ نادان نہیں جانتے۔ کہ قانون قدرت ان باتوں کا نام نہیں ہے۔ جو وہ اپنی عقل اور سمجھ سے تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا علم اور فہم ہے ہی کیا چیز۔ کہ تمام قوانین قدرت پر حاوی ہوسکے۔ ہاں وہ باتیں جن کے متعلق خدا تعالےٰ نے خود بتا دیا ہے۔ کہ یہ قانون قدرت ہیں۔ ان کو قانون قدرت قرار دیا جاسکتا ہے۔ لیکن کوئی ایسی بات جس کے متعلق پہلے علم نہو۔ کہ یہ قانون قدرت ہے یا نہیں۔ اس کو خلاف قانون قدرت نہیں کہا جاسکتا۔ پس معترض کا یہ کہنا کہ خدا قانون قدرت کے خلاف کرسکتا ہے یا نہیں؟ ظاہر کرتا ہے۔ کہ گویا اس نے تمام قوانین قدرت کی ایک فہرست بنالی ہے۔ اور ان کے متعلق اسے پورا پورا علم حاصل ہوگیا ہے۔ اس لئے اب وہ یہ معلوم کرنا چاہتا ہے۔ کہ ان کے خلاف کرنے کی بھی خدا میں طاقت ہے یا نہیں؟ کسی انسان کا تمام قوانین قدرت پر حاوی ہوجانا بالکل ناممکن اور محال ہے۔ معترض کی نادانی اور ناواقفیت کا پتہ تو اسی بات سے لگ جاتا ہے کہ وہ لکھتا ہے۔ خدا قانون قدرت کے خلاف کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ قانون قدرت تو ہر ایک اس فعل کا نام ہے۔ جو خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ پھر اگر کوئی ایسا فعل جو معترض کے نزدیک قانون قدرت کے خلاف ہو۔ اور اُسے خدا تعالیٰ کرے۔ تو وہی قانون قدرت بن جائیگا۔ اس لئے یہ نہیں کہا جائیگا۔ کہ خدا نے قانون قدرت کے خلاف کیا۔ یہ سوال اس وقت ہوسکتا ہے۔ جبکہ قانون قدرت کسی ایسے مجموعہ قوانین کا نام ہو۔ جو خدا تعالےٰ کے لئے کسی اور ہستی نے مرتب کئے ہوں۔ اور (نعوذ باللہ) خدا تعالیٰ کو ان کے ماتحت کام کرنے کا پابند ٹھہرایا گیا ہو۔ لیکن جبکہ یہ صورت نہیں۔ بلکہ یہ ہے۔ کہ قانون قدرت نام ہی ہر اس فعل کا ہے۔ جو خدا تعالےٰ کے ذریعہ ظہور پذیر ہو۔ تو خدا تعالیٰ کا قانون قدرت کے خلاف کرنا چہ معنی؟

پھر خدا تعالےٰ کا اپنے وعدوں اور اپنی صفات کے مطابق کام کرنے کا نام قانون قدرت ہے۔ اور ان کے خلاف وہ خود نہیں کرتا۔ اس لئے نہیں۔ کہ وہ اس کے خلاف کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ بلکہ اس لئے کہ اس کا اپنے وعدے اور صفات کے خلاف کرنا قدرت کے کاموں میں شمار نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ان کے خلاف کرنے سے خدا تعالےٰ میں بہت بڑا نقص لازم آتا ہے۔ مثلاً اگر وہ اپنے کسی وعدہ کے خلاف کرے۔ تو وہ وعدہ خلافی ہوگی۔ جو ایک ایسی معیوب بات ہے۔ جس سے خدا تعالےٰ ایسی پاک ہستی کو منزہ ہونا چاہیئے۔

یہ تو اس کے وعدہ کے متعلق ہؤا۔ اب اس کی صفات لیجئے۔ مثلاً خدا تعالیٰ کی ایک صفت رحیم ہے۔ اگر وہ اس کے خلاف کرے۔ تو ظالم ٹھہریگا۔ اور یہ ایک ایسا معیوب امر ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی شان کے بالکل منافی ہے۔ ان مثالوں سے پتہ لگتا ہے۔ کہ خدا تعالےٰ اپنے وعدوں اور صفات کے خلاف کیوں نہیں کرتا۔ پھر قدرت کا لفظ ہمیشہ خوبی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ فلاں بادشاہ بڑا قادر ہے۔ کیونکہ وہ تمام مخالف حکومتوں پر غالب آگیا ہے۔ مگر ہمارا یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ فلاں بادشاہ قادر نہیں۔ کیونکہ وہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ یا ظلم نہیں کرتا۔ یا بھیک نہیں مانگتا۔ اگر وہ ان باتوں پر

قادر ہوتا۔ تو کیوں نہ کرتا۔ اور اگر قادر ہے۔ تو کیوں نہیں کرکے دکھاتا۔ کیونکہ یہ کام اس کی قدرت کے ظاہر کرنے والے نہیں۔ بلکہ اس کے نقائص اور کمزوریوں پر دلالت کرنے والے ہیں۔ پس جسطرح ایک بادشاہ کا ان کاموں کو نہ کرنا اس میں نقص نہیں پیدا کرتا۔ بلکہ اس کی خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کا اپنی صفات اور وعدوں کے خلاف نہ کرنا اس میں نقص نہیں لاتا۔ بلکہ اس کی اعلیٰ شان کو ظاہر کرتا ہے ؂

پس معترض صاحب کا یہ کہنا کہ خدا میں خودکشی کرنے کی قدرت ہے یا نہیں۔ غلط ہے۔ کیونکہ اس سے خدا کی شان نہیں ظاہر ہوتی۔ بلکہ نقص کا پتہ لگتا ہے۔ کیونکہ یہ فعل اس کی صفت حیؔ (زندہ رہنا) کے خلاف ہے۔ اور اس سے اس پر فانی ہونے کا نقص لازم آتا ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ تمام عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ شریعت اسلام نے ہمیں خدا کا اسم ذات ہی وہ بتایا ہے جس کے معنے ہیں تمام خوبیوں کا جامع اور تمام عیوب سے پاک یعنے اللّٰہ۔ اور کسی مذہب میں خدا تعالےٰ کا ایسا جامع نام ہرگز نہیں مل سکیگا۔ پھر اسلام نے خدا تعالےٰ کی قدرت کے متعلق ہمیں یہ تعلیم دی ہے۔ کہ ان اللہ علےٰ کل شیئٍ قدیر۔ اس آیت میں شیئ کا لفظ مصدر ہے جس کے معنے چاہنے کے ہیں۔ اس لئے اس کے یہ معنے ہوئے۔ کہ اللہ تعالےٰ ہر ایک چاہی ہوئی بات پر قادر ہے یعنے جس بات کو وہ کرنا چاہے۔ اس کو کرسکتا ہے۔ پس وہ اپنے وعدے اور صفات کے خلاف نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ اسطرح اس میں نقص لازم آتا ہے۔ اس لئے وہ ایسا فعل نہیں کرتا۔ اگر انسان غور کرے۔ تو اسے پتہ لگ جائے۔ کہ واقعہ میں قادر وہی ہوتا ہے۔ کہ جو وہ چاہے اُسے کرسکے۔ نہ یہ کہ جو گھڑی کی طرح اپنے افعال میں بے اختیار ہو۔ کیا کوئی گھڑی کو بھی قادر کہتا ہے۔ اسطرح تو خدا کو مجبور ماننا پڑے گا۔ جو ایک قسم کا نقص ہے۔ پس ایک قادر اور پاکیزہ ہستی کب اپنی نسبت کوئی نقص اور عیب پسند کرسکتی ہے انسان جو خدا کے مقابلہ میں کچھ بھی قدرت نہیں رکھتا اس کی بھی خواہش اور کوشش ہوتی ہے۔ کہ مجھ میں کوئی نقص نہ ہو۔ تو خدا تعالےٰ باوجود قدرت رکھنے کے اپنے اندر عیوب کو کسطرح پسند کرسکتا ہے ؂

دُوسرا سوال اور اُس کا جواب

معترض کا دوسرا سوال یہ ہے کہ "قانون قدرت خدا کا حکم ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اس میں تغیر وتبدل ہوتا ہے یا نہیں؟"

معترض کا یہ سوال ہی درست نہیں۔ کیونکہ جس صورت میں وہ خدا کے حکم کا نام قانون قدرت رکھتا ہے۔ تو کیا تغیر وتبدل اس کے حکم سے باہر ہے۔ تغیر وتبدل بھی تو قانون قدرت اور خدا کا حکم ہی کہلائیگا پھر اس کے خلاف کرسکنے یا نہ کرسکنے کا کیا مطلب؟ دیکھئے۔ ایک طبیب اپنے مریض کو بیماری کی حالت میں ایک دوائی کھانیکا حکم کرتا ہے۔ یہ بھی اس کا حکم ہے۔ اور اس کی تندرستی پر اس دوائی کے استعمال سے اس کو روکتا ہے یہ بھی اس کا حکم ہے لیکن یہ دونوں حکم مریض کی حالت کے مطابق الگ الگ ہیں۔ پس تغیر کا نام بھی جب حکم اور قانون قدرت ہی ہُوا۔ تو اس کے خلاف کرسکنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہُوا ؂

تیسرا سوال اور اُس کا جواب

"فرشتے مجسم ہیں یا غیر مجسم"۔ جواباً عرض ہے۔ کہ وہ ایک روحانی مخلوق ہے۔ اس لئے ہماری ان مادی آنکھوں سے وہ نظر نہیں آتے۔ ہاں ان کے اثرات سے ان کا پتہ لگتا ہے۔ جس طرح انسانی عقل ایک روحانی چیز ہے۔ جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ لیکن اس کے اثرات جو بڑے بڑے اہم امور کے متعلق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اس کے وجود کا ہم کو پتہ لگتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالےٰ نے ملائکہ کے وجود کے بھی اثرات رکھے ہیں۔ جن سے ان کا پتہ لگتا ہے ورنہ عقل کی طرح ان کا بھی کوئی جسم نہیں۔ ہاں جسطرح عقل اپنے مقام دماغ میں رہکر اپنا اثر دکھاتی ہے۔ اسی طرح ملائکہ کے لئے بھی مقام معلوم ہیں۔ جن سے علیحدہ ہوکر وہ کوئی اثر نہیں دکھلا سکتے ؂

بعض اوقات تمثیلی رنگ میں بھی ان کا وجود نظر آجاتا ہے۔ جسطرح انسان رویاء یا کشف میں اپنے بخت یا آواز وغیرہ کو مجسم دیکھتا اور ان سے باتیں کرتا ہے ؂

تثبیت قلوب اور تبشیر مؤمنین بھی ملائکہ کے کاموں میں سے دو کام ہیں جس سے مؤمنوں کے دل بدی سے بچے اور نیکی پر ثابت رہتے ہیں۔ اور کامیابی کی بشارتیں پاتے ہیں یہ ملائکہ کے اثر کا ہی نتیجہ ہوتا ہے۔ کہ بعض اوقات اچانک انسان کے دل میں خواہ وہ اس وقت کسی بدی میں ہی کیوں نہ مبتلا ہو۔ نیکی کی تحریک اور خیال پیدا ہوجاتا ہے۔ اس نیکی کے موثر کا نام شریعت اسلام نے فرشتہ رکھا ہے۔ جس کے وجود کا پتہ انسان کی روحانی قوتوں کی طرح اس کے اثرات سے لگتا ہے۔ نہ یہ کہ ان کا کوئی جسم ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں بدی کے محرک کا نام شریعت اسلام نے شیطان رکھا ہے۔ وہ بھی ایک مادی آنکھوں سے پوشیدہ مخلوق ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ انہٗ یرٰکم ھو وقبیلہٗ من حیث لا ترونھم۔ کہ شیطان اور اس کی جماعت تو تم کو دیکھتے ہیں۔ لیکن تم ان کو نہیں دیکھتے ؂

تمثیلی رنگ میں یہ مخلوق بھی تجسم اختیار کرتی اور نظر آتی ہے۔ اور ہر ناپاک جگہ اس کی قیام گاہ ہے۔ اور اس کے اثر سے انسانوں کے دل میں وسوسے اور بدی کے خیالات پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ قولہ یوسوس فی صدور الناس ؂

چوتھا سوال اور اُس کا جواب

"روح اور مادہ مفرد ہے یا مرکب اگر مرکب ہے۔ تو کن کن اشیاء سے اور کس وقت خدا تعالےٰ نے اس کو ترکیب دیا ہے" ؂

جواب۔ قرآن کریم کی رُو سے تو روح اور مادہ کا مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی پیدائش کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج کہ ہم نے انسان کو بہت تھوڑی سی چیز سے جو کہ بہت سی مختلف اشیاء کا خلاصہ ہے۔ پیدا کیا ہے۔ پھر رحم میں اس کے تمام قویٰ کی تکمیل کے بعد اسی مرکب میں سے اللہ تعالےٰ روح پیدا کردیتا ہے جس کو قرآن کریم میں ثم انشأنٰہ خلقاً اٰخر کرکے بیان فرمایا ہے۔ اس کے آگے فرمایا۔ فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ کہ بہت وغیرہ تو ہر کوئی تیار کرسکتا ہے۔ مگر یہ روح کی پیدائش کرنا ہمارا ہی خاصہ ہے۔ پس ہم احسن الخالقین ہیں ؂

یہ تو ہُوا قرآن کے رُو سے۔ وید کی رو سے بھی

ایک رنگ میں روح کا مرکب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جسطرح ترکیب حدوث کو چاہتی ہے۔ اسی طرح محدود ہونا بھی حدوث کو مستلزم ہے۔ اور دیانند صاحب ستیارتھ پرکاش میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ روح۔ ہوا۔ پانی اور اناج کے ذریعہ انسان کے اندر چلی جاتی اور نطفے میں ملکر سلسلہ پیدائش شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۲۹ - تیسرا ایڈیشن میں لکھا ہے۔ کہ " اس کے بعد دہرم راج یعنی پرمیشور اس جیو کے پاپ پن کے مطابق جنم دیتا ہے۔ وہ ہوا - اناج - پانی کے ذریعہ دوسرے کے جسم میں ایشور کی تحریک سے داخل ہوتا ہے " ۔ پس جو چیز ایسی محدود ہے۔ کہ انسان کا جسم اور نطفہ اسکا احاطہ کر سکتے ہیں - وہ کسطرح غیر فانی ہو سکتی ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ کس وقت خدا تعالےٰ نے اس کو ترکیب دیا ہے۔ اس سوال کا جواب وہی ہو سکتا ہے جو آریہ صاحبان مندرجہ ذیل سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ کہ کیا روح اور مادے پر کوئی ایسا زمانہ گذرا ہے۔ کہ وہ معہ اپنے خواص کے الگ الگ پڑے ہوئے تھے؟ اگر ایسا زمانہ نہیں گذرا۔ تو پھر خدا کی ہستی باطل ہوتی ہے۔ اور ماننا پڑے گا۔ کہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے - اور اگر ایسا زمانہ گذرا ہے۔ اور پھر بعد میں ان کو باہم جوڑا گیا ہے۔ تو جو اعتراض ہم پر عائد ہوگا - بعینہٖ وہ آریہ صاحبان پر بھی پڑے گا۔ مثلاً آریہ صاحبان کا یہ اعتراض کہ روح اور مادہ اگر ازلی نہیں۔ بلکہ بعد میں پیدا کئے گئے ہیں۔ تو کیا خدا تعالےٰ میں اس سے پہلے صفت خالقیت نہ تھی؟ ہم کہتے ہیں۔ تمہارے مسلمات کی رُو سے جب خدا تعالےٰ نے جوڑنے کا کام بعد میں شروع کیا۔ تو کیا اس سے پہلے اس میں جوڑنے کی طاقت اور صفت نہ تھی؟

اصل بات یہ ہے۔ کہ صفات دو قسم کی ہوتی ہیں! ایک اختیاری - اور ایک اضطراری - خدا تعالےٰ کی تمام صفات چونکہ اختیاری ہیں۔ اس لئے وہ جس وقت چاہے۔ ان سے کام لے سکتا ہے۔ انسان کی طرح اس میں کوئی اضطراری صفت نہیں پائی جاتی - مثلاً پانی پینے کی صفت انسان میں ہے - یہ نہیں ہوگا۔ کہ جب چاہے تو پانی پیئے - اور جب چاہے نہ پیئے۔ کیونکہ پیاس کے وقت وہ پانی پینے پر مجبور ہو جائیگا۔ لیکن خدا تعالےٰ اپنے اختیار سے حسب منشا موقعہ اور محل پر اپنی صفات سے کام لیتا ہے - اور اس کے کسی وقت اپنی صفت سے کام نہ لینے کی وجہ سے یہ لازم نہیں آسکتا۔ کہ اس میں وہ صفت ہی نہیں۔ مثلاً ایک انسان میں بولنے کی صفت ہے۔ لیکن اگر کسی وقت وہ خاموش ہوتا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس میں بولنے کی صفت ہی نہیں رہی۔ پس خدا تعالےٰ ہمیشہ سے خالق ہے۔ جس وقت اس نے چاہا۔ اس صفت سے کام لیا۔ کیونکہ وہ اپنے کاموں کے کرنے میں مجبور نہیں ۔

پانچواں سوال اور اُس کا جواب

" کیا ایک کنارے کا دریا ہوتا ہے۔ اگر نہیں تو ابدی بہشت سے کیا کام " ؟

اس سوال کا مطلب ہماری سمجھ میں یہ آیا ہے۔ کہ جس صورت میں انسان خود محدود اس کے اعمال محدود - تو اس کے بدلے میں اُسے ابدی بہشت کسطرح مل سکتا ہے ؟

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ امر ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ کہ ہم اپنی ذات کو محدود یا غیر محدود بنا دیں۔ تا ہمارے اعمال بھی اسی کے مطابق ہوں۔ ہاں اگر یہ امر ہمارے اختیار میں ہوتا - اور پھر ہمارے اعمال محدود ہوتے تو بے شک ایک حد تک ہم ابدی بہشت کے مستحق نہیں ہو سکتے تھے۔ ہم نے خدا تعالےٰ سے جو عہد عبودیت باندھا ہے وہ تو دس بیس یا سو دو سو سال کے لئے نہیں بلکہ جب تک بھی وہ ہم کو زندہ رکھے۔ اسی وقت تک ہے۔ اور ہم اپنے عہد پر قائم ہیں۔ پس ہماری نیت اور ارادہ چونکہ غیر محدود ہے۔ اس لئے وہ علام الغیوب اس ابدی ارادے کے بدلے ہم کو ابدی جنت عطا فرمائیگا۔ زندگی کا محدود یا غیر محدود ہونا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ اس صورت میں اگر ہمکو ابدی انعام سے محروم رکھا جاتا۔ تو گویا ہم پر ظلم کیا جاتا۔ مگر ان اللّٰہ لا یظلم مثقال ذرة۔ خدا تعالےٰ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اس کی نظر دلوں پر ہے۔ ان اللّٰہ تعالےٰ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔ پس وہ جانتا ہے۔ کہ اسکا ایک سچا عابد یہی خواہش اور التجا کرتا ہے کہ جب تک بھی وہ زندہ رکھا جائے۔ اسی کی عبادت اور پرستش کرتا رہے۔ اسی لئے شریعت اسلام نے یہ تعلیم دی ہے۔ کہ انما الاعمال بالنیات۔ کہ اعمال کی جزا و سزا نیت پر موقوف ہے۔ پس ہماری نیت محدود عبادت کی نہیں ہے۔ آنحضرت کو کشفی طور پر نظارہ دکھایا گیا۔ کہ شہداء خدا تعالےٰ کے حضور درخواست کرتے ہیں۔ کہ ان کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے۔ تا خدا کی عبادت کریں۔ اور اس کے احکام کو بجا لائیں۔ اور اس حالت میں پھر اُس کی راہ میں جان دیں۔ پس خدا تعالےٰ کے ایک سچے عابد کی یہ خواہش ہرگز نہیں ہوتی۔ کہ وہ چند برسوں کے لئے خدا کی عبادت کرے۔ بلکہ " ہر کہ عارف تر است ترساں تر است "۔ جتنی جتنی خدا کی معرفت اس کو زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ اتنی ہی اس کے دل میں خشیت اللہ زیادہ پیدا ہوتی اور اسکا دل خدا کی عبادت میں زیادہ لگتا ہے جس کے عوض میں اس کو ابدی جنت عطا ہوتا ہے ۔

اس اعتراض کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے۔ کہ چونکہ مسلمان روح کو مخلوق مانتے ہیں۔ اس لئے روح کی ایک ابتدا ہوئی۔ اور چونکہ ان کے نزدیک پھر اس کو فنا نہیں۔ اس لئے معلوم ہوا۔ کہ اس کی انتہا نہیں۔ تو گویا مسلمان ایک ایسا دریا مانتے ہیں۔ جسکا ایک کنارہ تو ہے۔ لیکن دوسرا نہیں ہے۔ سوال کا یہ پہلو بھی بہت ہی مضحکہ خیز ہے۔ تاہم اس کا جواب یہ ہے۔

کہ آریہ سماجی لوگوں کا عقیدہ ہے۔ کہ روح مخلوق نہیں بلکہ قدیم سے ہے۔ اور وہ یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ روح کو فنا بھی نہیں ہے۔ تو گویا آریہ صاحبان کے نزدیک ایک ایسا دریا ہے جسکا ایک کنارہ بھی نہیں ہے۔ کیا دنیا میں کوئی ایسا دریا ہے؟ اگر ہے۔ تو معترض صاحب پتہ بتائیں جب وہ کوئی ایسا دریا بتا دیں گے۔ تو ہم بھی ایک کنارہ کا دریا دکھلا دیں گے ۔

چھٹا سوال اور اُس کا جواب

" لفظ کُن حکم ہے یا اشارہ۔ اگر حکم ہے۔ تو محکوم کا ہونا ضروری ہے "۔

جواب۔ اشیاء کی موجودگی دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک ذہنی اور ایک خارجی۔ مثلاً ہم

کوئی چیز بنانا چاہتے ہیں۔ تو پہلے ہمارا ارادہ ضرور کوئی ذہنی صورت اختیار کرے گا۔ لیکن چونکہ ہماری قدرت ناقص ہے۔ اس لئے ہمارا حکم یا کلمہ کن یہی ہے۔ کہ ہم اس چیز کو عملاً تیار کرنے لگ جاتے ہیں۔ ورنہ اگر ہم بھی کامل قدرت رکھتے۔ تو ہمارے اس ذہنی شکل پر لفظ کن بولنے سے وہ عدم سے وجود میں آجاتی۔ خدا تعالےٰ کی ذات اگرچہ دماغ وغیرہ اعضاء کی احتیاج سے پاک ہے۔ مگر الفاظ کے محدود ہونے کے باعث ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ خدا تعالیٰ کا ارادہ ذہنی صورت اختیار کرتا ہے۔ جس کو خارجاً موجود ہونے کے لئے کُن کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں لفظ کُن آتا ہے۔ اس سے پہلے ارادہ الٰہی کا ذکر یا کسی رنگ میں اس چیز کی موجودگی کا ذکر ضرور آتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کے افعال مجبوری یا بے اختیاری میں سرزد نہیں ہوتے۔ بلکہ جو کچھ وہ کرتا ہے۔ بالارادہ کرتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔ انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن۔ کہ اسکا امر کُن اسی وقت ہوتا ہے جبکہ وہ کسی چیز کے موجود کرنے کا ارادہ کرتیا ہے ؁

مچی ہے دھوم میرے میرزا کی

(از ماسٹر محمد علی صاحب اشرف)

عجب ہے رتبہ میرے دلربا کی — ادا اس خوش ادا کی ہے بلا کی
مثال اُس کی نہیں ملتی جہاں میں — یہی سن کر ہم چلے خلقت خدا کی
بنے اُس کی گلی میں میرا مدفن — کہ جس پر میں نے اپنی جاں فدا کی
بلاشک رشک جنت ہے وہ گھر — برستی ہے وہاں رحمت خدا کی
جہاں کے گوشہ گوشہ میں جو دیکھو — مچی ہے دھوم میرے میرزا کی
مسیحا برکتیں نازل ہوں تجھ پر — ہدایت تو نے کی خلق خدا کی
خدا کے واسطے مہدی کو مانو — بلاتا ہے طرف راہ ہدیٰ کی
دُعا سے اسکی مردے جی اُٹھے ہیں — مرے ہیں جن کے حق میں بددعا کی
وہ تھا جانِ محمد رُوحِ احمد — وہ تھی تصویر خلقِ مصطفیٰ کی
کہا جس نے اسے سردارِ عالم — شہنشاہِ دو عالم کی ثنا کی
خدا کا شکر کر سبحان اے اشرف — کہ جس نے ہم کو یہ نعمت عطا کی

مشن کالج پشاور ایک پروفیسر کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات

(از جناب مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منشی فاضل و مولوی فاضل)

(گذشتہ سے پیوستہ)

۵۔ قولہ۔ لقد سئلت اللہ ان یحکم بینی وبینکم سئلت بصیغہ معروف کا رسم الخط بالف ہے۔ نہ بیاء۔۔۔ یہ عذر ہرگز قابل سماعت نہیں۔ کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔ کاتب نسخہ اصل کے الفاظ کے نقوش کی بالکل نقل اتارتا ہے" ؁

اقول۔ اگر آپ کا یہ کلیہ صحیح ہے۔ کہ" کاتب نسخہ اصل کے الفاظ کے نقوش کی بالکل نقل اتارتا ہے" تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ قرآن کریم کی کتابت میں رسم خط کی ہزاروں غلطیاں واقع ہوتی رہتی ہیں۔ کیا ان کی بناء کتاب الوحی رضی اللہ عنہم کی غلطیوں پر ہوتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک

۶۔ قولہ۔ (اتولون الدبر۔ میں) "مرزا صاحب نے ۔۔۔۔۔۔۔۔ ہند کے ۷ کروڑ مسلمانوں کی پیٹھوں کو ۔۔۔۔۔۔ اسطرح چپکا دیا۔ کہ فی الحقیقت سب ملکر ایک ہی بن گئیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ خدا نعوذ باللہ ایسا نہ کر سکا" ؁ (یعنے لفظ دُبُر واحد ہے۔ جو اس جگہ لانا صحیح نہیں ہے۔ اس کی جگہ لفظ ادبار ہونا چاہیئے تھا چنانچہ قرآن کریم میں تو لون کے بعد ادبار ہی آتا ہے۔ دُبُر نہیں آتا) ؁

اقول۔ لفظ دُبُر اس جگہ واحد نہیں۔ بلکہ جمع واقع ہوا ہے جسے آپ نے اپنی نادانی کی وجہ سے مفرد سمجھا ہے اور قرآن کریم میں بھی یہ لفظ اسی صورت میں بصیغہ جمع موجود ہے۔ چنانچہ سورۃ قمر میں ہے سیھزم الجمع و یولون الدبر ؁

یہ ہے حقیقت پروفیسر صاحب کی عربی دانی اور قرآن دانی کی جس کی بناء پر وہ اُس کتاب کی غلطیاں نکالنے کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ جس کی نظیر آج تک کوئی عربی و عجمی باوجود نہایت عظیم الشان تحدی کے نہیں لا سکا ؁

۷۔ قولہ۔ (سیق الیہ شعوب۔ میں) "رسالہ کی طرف ضمیر مذکر کا ارجاع" غلط ہے ؁

اقول۔ مؤنث کو مذکر کا اور مذکر کو مؤنث کا حکم دے سکنے کا ثبوت یکم اگست ۱۹۱۶ء کے پرچہ میں مفصل طور ہو چکا ہے۔ جسے دوبارہ یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں ؁

۸۔ قولہ۔ سفرت عن مرأی وسیم وارج نسیم۔ سفرت عن مرأی تو صحیح ہے۔ مگر سفرت عن ارج کا محاورہ سوائے مرزا صاحب کے اور کسی نے نہیں استعمال کیا ؁

اقول۔ پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض بھی ان کی جہالت ثابت کرتا ہے۔ کیونکہ بلغاء عرب کے کلام میں اور پھر خود قرآن کریم میں یہ اسلوب کلام موجود ہے۔ چنانچہ امام ثعالبی نحوی اپنی کتاب فقہ اللغۃ وسر العربیۃ میں فصل فی الحمل علے اللفظ والمعنے للمجاورۃ کے ذیل میں اس کے شواہد میں لکھتے ہیں ؎

"یالیت شیخک قد غدا۔ متقلداً سیفا و رُمحاً والرمح لا یتقلد وانما قال ذالک لمجاورۃ السیف وفی القرآن فاجمعوا امرکم وشرکاءکم۔ لا یقال اجمعت الشرکاء وانما یقال جمعت شرکائی واجمعت امرہ وانما قال ذالک للمجاورۃ ؁

۹۔ قولہ۔ لمعاتہا ازدأت بالیمان۔ الصحیح ازدَہَت۔

اقول۔ یہ بھی پروفیسر صاحب کی سراسر جہالت ہے۔ اقرب الموارد میں لکھا ہے۔ ازدأبہ ازدلہ واستہان بہ

۱۰۔ قولہ۔ وصلیت القلوب بالنیران وھیجت انبلاشل الخ۔ الصحیح اصلیت القلوب اذ صلی لازم

اقول۔ یہاں پروفیسر صاحب کو اپنی عربی نویسی کا نمونہ دکھلانے کا شوق اٹھا ہے۔ اور کمال جہالت سے یاوہ گوئی کرنے لگے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ صَلّیٰ یہاں لازم نہیں بلکہ متعدی ہے۔ جس کے معنے لزم کے ہیں۔ چنانچہ تاج العروس میں لکھا ہے۔ صلی الرجل کرضی لزم کا صطلی قال الزجاج وھذا ھو الاصل

فی الصلاۃ . . . . سمیت بہا لانہا لزوم ما فرض اللہ تعالیٰ بہا" (دیکھو تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۲۱۲)

اسی طرح یہ بھی آپکی نادانی ہے - کہ آپ اس فقرہ میں بالنیران والی ب کو استعانت کے لئے سمجھے ہیں - (جو آلۃ الفعل پر داخل ہوتی ہے) حالانکہ یہ اس جگہ مصاحبۃ اور ملابسۃ کے لئے ہے - (جو معیت پر دلالت کرتی ہے) جیسے وقد دخلوا بالکفر وہم قد خرجوا بہ میں ہے - اس فقرہ کے معنے یہ ہیں - کہ یہ رسالہ دشمنوں کے دلوں میں گھر کر گیا ہے - مگر اکیلا نہیں - بلکہ بہت سی آگوں کو اپنے ساتھ لے کر گھسا ہے - جو ان کے دلوں کو جلا رہی ہیں ؛

قولہ "لا یتعدی الا بالہمزۃ او بالباء" - (یعنے صَلِیَ کو متعدی بنانے کی صرف دو ہی صورتیں ہیں - اول - اَصلی بنانا - دوم - صَلِیَ بہ)

اقول - یہ بھی آپ کی نادانی ہے - اگر اسے اور بھی متعدی کرنا مقصود ہو - تو اس کے لئے سب سے اعرف صورت یہ ہے - کہ اُسے باب تفعیل میں لایا جاوے - نہ یہ کہ صرف باب افعال میں لانے یا باء تعدیہ لانے سے اسکا تعدیہ ہو سکتا ہے ؛

قولہ - والباء ھنا صلۃ لیست للتعدیہ (یعنے یہ باء صلہ تو ہے - مگر تعدیہ کے لئے نہیں ہے -)

اقول - یہ بھی آپکی سراسر جہالت ہے - حروف جارہ کا نام صلات اسی وقت رکھا جاتا ہے - جبکہ وہ تعدیہ کے لئے ہوں - اور کسی صورت میں ان کا نام صلہ نہیں رکھا جاتا -

۱۱ - **قولہ** - الذی دعی الناس - صحیح دعا بالالف ہے -

اقول - یہ بھی آپ کی جہالت ہے - قاموس میں لکھا ہے - دعیت لغۃ فی دعوت - پس اسکا قیاس رمٰی پر ہے نہ دعا پر -

۱۲ - **قولہ** - الی مادبۃ الجفلی - مادبۃ الجفلی عربی کا محاورہ نہیں ہے - ملاحظہ ہو - قاموس و لسان وغیرہ "

اقول - آپ کی جہالت آپکے ایک لفظ سے مترشح ہو رہی ہے - تعجب ہے - کہ اتفاقاً بھی کوئی سیدھی بات آپکی زبان قلم سے نہیں نکلتی - آپکا یہ اعتراض بھی آپکی جہالت کا کرشمہ ہے - سنئے مَادبۃ کے معنے ہیں طعام صنع لدعوۃ او عرس - یعنے وہ کھانا جو دعوت یا شادی کے لئے تیار کیا گیا ہو - اور جفلیٰ کے معنے ہیں دعوۃ عامۃ الی الطعام من غیر اختصاص - یعنے عام دعوت جس میں کسی کی تخصیص نہ کی جائے - اور ہر ایک شخص اس میں شامل ہو سکے - پس مادبۃ الجفلی کے معنے ہیں وہ کھانا جو دعوت عامہ کے لئے تیار کیا گیا ہو - سو اس کو خلاف محاورہ عربیہ کہنا کمال درجہ کی نادانی ہے ؛

قولہ - یہیں طرفۃ ابن العبد کا وہ مشہور شعر بھی یاد آ گیا

نحن فی المشتاۃ ندعو الجفلی ٭ لا تری الآدب فینا ینتقر

اقول - للہ درمن قال - اذا قال دین المرء قل حیاءہ - کتب لغت میں اس لفظ کے ذیل میں شعر مذکور بطور شاہد دیکھ کر یہ لکھدینا - کہ "وہ شعر مشہور بھی یاد آ گیا" حد درجہ کی وقاحت ہے ؛

قولہ - (الذی دعی الناس - الی مادبۃ الجفلی میں) ناس کا استعمال بھی مطابق محاورہ نہیں - فقط دعا الجفلی کافی ہے - اس لئے کہ جفلی ناس کے معنے پر مشتمل ہے" -

اقول - یہ بھی آپکی سراسر جہالت ہے - جفلیٰ صرف دعوت عامہ کا نام ہے - الناس کے معنے اس میں ہرگز داخل نہیں ہیں - یہ ٹھوکر آپنے اپنے پیشکردہ حوالہ منتہی الارب کی اس عبارت سے کھائی ہے - کہ "دعاہم الجفلیٰ ای بجماعتہم" - جس کے معنے یہ ہیں - کہ اس نے انہیں عام دعوت دی - یعنے بغیر کسی فرد کا استثناء کرنے کے سب کو کھانے کے لئے بلایا - آپنے بجماعتہم کے لفظ سے یہ سمجھ لیا - کہ جفلیٰ کے لفظ میں جماعت کا مفہوم داخل ہے -

۱۳ - **قولہ** - نکم من علق الی الہوی - علق کا صلہ الی نہیں آتا - . . . . . . اگر مرزا صاحب اسطرح کہتے "من علق فی ہوا الہوی" - تو گو خلعت نبوت کے مستحق نہ ہو سکتے - مگر کلام میں جان پڑ جاتی" -

اقول - یہ بھی پروفیسر صاحب کی کمال درجہ کی جہالت کا ثبوت ہے - کیونکہ نہ حرف فی علق کا صلہ ہے - نہ حرف الی - حضرت اقدس کے کلام میں حرف الی انتہائے غایت کے لئے آیا ہے - مراد یہ ہے - کہ کئی لوگ ہوا و ہوس کی طرف بلند پروازی کرنے والے رحمانی بن گئے -

۱۴ - **قولہ** "بل لم یرم صلعم من وجادہ . . . . . . وجار بجو کے رہائشی گڑھے کو کہتے ہیں - یہ استعارہ . . . . . . حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور مکہ کے لئے ہرگز ہرگز موزون نہیں" -

اقول - اولاً - وجار - کا لفظ بجو کے گھر کے لئے مخصوص نہیں بلکہ شیر - بھیڑیے وغیرہ اس قسم کے ہر ایک جانور کے گھر کو وجار کہتے ہیں - چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے - (الوجار بالکسر والفتح جحر الضبع وغیرہا) کالاسد والذئب والثعلب ونحو ذلک ؛

ثانیاً - مسکن کو وجار کے ساتھ تشبیہ دینے سے مراد اس مسکن کے ساکن کو وجار میں رہنے والے جانور کے مشابہ قرار دینا ہرگز نہیں - کیونکہ وجہ شبہ خفاء اور پوشیدگی ہے - نہ کوئی اور امر - چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے - کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا - لوکنت فی وجاد الضبع (یعنے کاش میں بجو کے گھر میں ہوتا) جیکے ذیل میں تاج میں لکھا ہے - ذکرہ للمبالغۃ لانہ اذا احفر امعن - اور اگر بطور فرض محال یہ بھی تسلیم کر لیا جائے - کہ وجار میں رہنے والے جانور کے ساتھ بھی تشبیہ مقصود ہے - تو وجار سے مراد شیر کا مسکن ہو سکتا ہے - اور یہ ظاہر ہے - کہ شیر کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تشبیہ دینا کوئی معیوب نہیں - حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے قصیدہ بانت سعاد میں آپ کو شیر سے تشبیہ دی ہے ؛

ثالثاً - وجار کے معنے صرف شیر وغیرہ کے گھر کے ہی نہیں - بلکہ اس گڑھے کو بھی وجار کہتے ہیں - جو کسی وادی میں سیلاب کی وجہ سے کھد جائے - بہرحال مراد یہ ہے کہ آپ قبل از بعثت لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتے تھے گویا آپ آبادی میں نہیں بلکہ کسی جنگل میں اور پھر جنگل کے بھی کسی پوشیدہ حصہ میں رہتے تھے ؛

قولہ "نا قل حاطب اللیل کو حریری کے فقروں کے استعمال کی چاٹ لگ گئی - حریری نے ایک معمولی شخص کے گھر کے لئے لفظ وجار کو استعارۃً استعمال کیا ہے" -

اقول - معلوم ہوتا ہے - کہ پروفیسر صاحب کے مطالعہ میں اب تک حریری کے سوا اور کوئی کتاب نہیں آئی - - - . . . .

انہیں علوم ہونا چاہیئے ۔ کہ اس لفظ کا ان معنوں میں استعمال خود احادیث میں بھی موجود ہے ۔

۱۵ ۔ قولہ ۔ مو بتصبوا العیون و احسن الظنون ۔ صحیح حسن ہے "۔

اقول ۔ یہ پروفیسر صاحب کی سراسر نادانی ہے ۔ ظن کے لئے حَسَّن (باب تفعیل) نہیں ۔ بلکہ اَحسَن (باب افعال) استعمال ہوتا ہے ۔ کیونکہ تحسین کا لفظ صرف ظاہری صورت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے ۔ اس لئے یہاں اَحسن کی بجائے حَسّن رکھنا جائز نہیں ہے ۔

۱۶ ۔ قولہ ۔ و تثبطهم بات کفرهم ..... ثبطه عن الامر و ثبط عنه ایضاً منعه ۔ ملاحظہ ہو قاموس وغیرہ "

اقول ۔ یہ اعتراض بھی بالکل بے معنی اور فضول ہے ۔ اگر معترض کے نزدیک محل اعتراض یہ امر ہے ۔ کہ اس میں ثبط عنه کا ذکر نہیں ۔ تو یہ اعتراض قرآن کریم پر بھی آئیگا ۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے ۔ ولکن کرہ اللہ انبعاثهم فثبطهم ۔ اور اگر اسکا مقصد یہ ہے ۔ کہ جذبات کا تعلق ثبط کے ساتھ درست نہیں ۔ تو یہ بھی ایک نادانی ہے ۔ کیونکہ جذبات کفر سے مراد کفر کے جذبات یعنے اس کے لوازم و مقتضیات ہیں ۔ جن کے لئے ثبط کا استعمال کسی صورت میں بھی ممنوع نہیں ہے ۔ مقصود یہ ہے ۔ کہ لوگوں کے کفر کے لوازم و مقتضیات کو ظہور سے روک دیا ۔

قولہ ۔ لفظ جذبات کو جس معنے میں یہاں استعمال کیا ہے ۔ اور جس معنے میں اردو میں استعمال ہوتا ہے یعنے فیلنگس اس معنے میں عربی میں آج تک استعمال نہیں ہوا ۔

اقول ۔ یہ بھی آپکی نادانی اور جہالت ہے ۔ یہاں یہ لفظ فیلنگس کے معنے میں استعمال نہیں ہوا ۔ چنانچہ اسکا قرینہ یہ ہے ۔ کہ اس معنے کے رو سے یہ لفظ لفظ کفر کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ کفر ایک معنے اور صفت ہے ۔ نہ کہ کوئی حساس چیز ۔

قولہ ۔ اسکے لئے پرانی عربی خواطر ۔ آراء احساسات ہے "

اقول ۔ یہ بھی پروفیسر صاحب کی سراسر جہالت ہے خواطر عربی زبان میں ان اوہام یا خیالات کو کہتے ہیں ۔ جو بغیر کسی طبعی تقاضا کے یونہی انسان کے ذہن میں آئیں ۔ اور آراء کا لفظ عربی میں بھی وہ معنے دیتا ہے ۔ جن میں اردو زبان میں استعمال ہوتا ہے ۔ اسی طرح احساسات کا لفظ بھی اصل عربی میں فیلنگس کے معنے میں ہرگز استعمال نہیں ہوتا ۔ ہاں جدید مصری زبان میں یہ لفظ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ پس ان معنوں کے لحاظ سے ان ہرسہ الفاظ کو قدیم عربی کی طرف منسوب کرنا ہرگز صحیح نہیں ۔

قولہ ۔ اور اسے موجودہ مصری و شامی زبان میں عواطف اور امیال کہتے ہیں ۔

اقول ۔ عواطف کا لفظ تو بیشک نئی عربی میں جذبات کے معنے میں استعمال ہوتا ہے ۔ مگر امیال کا لفظ ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتا ۔ بلکہ خواہشوں اور آرزؤں کے معنے دیتا ہے ۔

۱۷ ۔ قولہ ۔ الی ان اترعوا بالمعارف الاکیاس وحصحص فہیم فؤد ۔ اتراع کا استعمال جس کے معنے پُر کرنے کے ہیں مائعات کے ساتھ مختص ہے ۔ اور مقامات میں صرف استعارۃً آ سکتا ہے ۔ یہاں چونکہ کوئی استعارہ نہیں ۔ اس لئے لفظ مذکور نہایت بھونڈا معلوم ہوتا ہے ۔ یوں کہنا چاہیئے تھا ۔ الی ان ترعوا برحیق المعارف کؤس صدور الاکیاس ۔

اقول ۔ پروفیسر صاحب کا یہ اعتراض علم بلاغت سے ان کی ناآشنائی پر مبنی ہے ۔ یہاں اتراع کا لفظ استعارہ مطلقہ کے طور پر استعمال ہوا ہے ۔ اور جو قید استعارہ کے لئے انہوں نے ضروری بیان کی ہے (۲) وہ مطلقہ یعنی مطلق استعارہ کے لئے نہیں ۔ بلکہ استعارہ مرشحہ کے لئے ضروری ہے ۔

قولہ ۔ ویقال حصحص الحق وبان النور لا غیر

اقول ۔ یہ بھی پروفیسر صاحب کی جہالت ہے ۔ نہ لفظ حق کے لئے ضروری ہے ۔ کہ اس کی طرف صرف فعل حصحص منسوب ہو (۳) اور کوئی فعل اس کی طرف منسوب نہ ہو سکے ۔ علےٰ ہذا القیاس حصحص اور بان کے لئے بھی یہ ضروری نہیں ہے ۔ کہ وہ (علے الترتیب) صرف حق اور نور کی طرف منسوب ہوں ۔

قولہ ۔ نور ینیر الناس ۔ نیرالناس کا استعمال مرزا صاحب کے ساتھ خاص ہے ۔ ویقال فی العربی ینیر آراء الناس او ینیر قلوب الناس ۔

اقول ۔ انارہ کو قلوب یا آراء کے ساتھ مخصوص کرنا سراسر جہالت ہے ۔ لغت میں اس کی کچھ اصلیت موجود نہیں ہے ۔ ہاں زیادہ تر اسکا استعمال امکنہ کے لئے ہوتا ہے ۔ اور استعارۃً انسانوں کے لئے بھی ہو سکتا ہے ۔ جیسے قلوب یا آراء کے لئے استعمال ہو سکتا ہے ۔

بالآخر ہم یہ ظاہر کر دینا ضروری سمجھتے ہیں ۔ کہ آئندہ کے لئے ہم ان جاہل پروفیسر صاحب کو مخاطب کرنا پسند نہیں کرتے ۔ کیونکہ در اصل وہ عربی زبان سے اور اس کی لغت اور قواعد سے بالکل ناآشنا ہیں ۔ اس لئے ان کے اعتراضات کی طرف توجہ کر کے ہم اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا نہیں چاہتے ۔

ہاں چونکہ مولوی ثناء اللہ نے انکے بعض اعتراضوں کی تغلیط کی ہے ۔ اور اسطرح سے اس نے ظاہر کر دیا ہے ۔ کہ باقی تمام اعتراضات میرے نزدیک درست اور بجا ہیں ۔ اور میں ان کی صحت ثابت کرنے کا خود ذمہ دار ہوں ۔ اس لئے اگر اس سلسلہ اعتراضات میں آئندہ کوئی نمبر شائع ہو تو انشاء اللہ اس کے جواب میں ہم مولوی ثناء اللہ ہی کو مخاطب کریں گے ۔ تاکہ اس کی نااہلیت کی حقیقت بھی اچھی طرح کھل جائے ۔

دُعا کی جائے

اخی المکرم قاضی اکمل صاحب چند دن سے بعارضہ بخار بیمار ہیں ۔ ان کی صحت کے لئے درد دل سے دعا کی جائے ۔ آپ بڑے کام کے آدمی ہیں ۔ نیز جناب مفتی محمد صادق صاحب کے لئے دعا کی جائے ۔ آپ چند دن بیمار رہ کر اب تو صحتیاب ہیں مگر کمزوری باقی ہے ۔

(۳) ۔ اور نہ لفظ نور کیلئے ضروری ہے کہ اس کی طرف بان کے سواء